دستِ قضا

سید عبداللہ گیاوی

میں ابن صفی کو ۱۹۵۸ء سے ان کی عظیم الشان کہانیوں اور ذہن میں چپک جانے والے کرداروں کے توسط سے جانتا ہوں۔ اس وقت میں چھٹے درجے کا طالب علم تھا میرے کورس کی کتابوں میں ان کی ایک نہ ایک کتاب ضرور چھپی ہوتی تھی اور جب کلاس خالی ہوتی یا ٹفن کا وقفہ ہوتا تو میں ان کی کتاب میں غرق ہو جاتا۔ میرے اردگرد فریدی، حمید، عمران، قاسم، صفدر، جولیا، انور، رکھا، رشیدہ، فیاض اور بہت سے دوسرے کردار منڈلاتے رہتے۔ شب کے وقت کورس کی کتابوں کو جیسے تیسے پڑھ کر کھانے پر ٹوٹ پڑتا اور پھر بستر میں گھستا۔ اور "جاسوسی دنیا" شروع کر دیتا۔

والدہ کے تیور اس معاملے میں بڑے ہی غضبناک ہوتے تھے جب تک مجھے یہ احساس ہوتا وہ جاگ رہی ہیں، میں تاریخ جغرافیہ یا اور کوئی کتاب اُٹھا کر اس طرح پوز کرتا جیسے دنیا میں کورس کی کتابوں کے علاوہ اور کوئی کتاب پڑھنے کو ہے ہی نہیں اور نہ مجھے کبھی دوسری کسی کتاب سے اتنی گہری انسیت رہی ہے۔

میری والدہ میری ان حرکات اور دکھاوے سے اچھی طرح واقف تھیں۔ زبان تو نہ ہلتی، مگر ان کی آنکھیں۔ خدا کی پناہ میری تو روح فنا رہتی۔ مگر ابن صفی۔!

اس طرح وقفے وقفے سے اٹھ کر مجھے چیک کر لیا کرتی تھیں اور ساتھ ہی مجھے سو جانے کی ہدایت اور میری صحت کے خراب ہو جانے کی تنبیہہ بھی دیا کرتی تھیں۔ اُدھر وہ مطمئن ہو کر واپس گئیں اور اِدھر ابن صفی پھر نکل آئے۔ غرض کہ یہ آنکھ مچولی ہوتی رہتی اور میں ابن صفی سے چپکا رہتا۔ اس وقت سے لے کر آج تک حسب معمول چپکا ہوا ہوں۔

وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا سب کچھ بدل جاتا ہے والدہ محترمہ جنّت کو سدھار گئیں۔ مگر یہ بات ضرور بتاتا چلوں کہ ابن صفی سے چپکے رہنے کے باوجود جب میں والدہ کی ہدایت اور خواہش کے مطابق اپنی پڑھائی تمام کر کے ان کا سہارا بنا تو اَب یہی ہستی ابن صفی کی کتابوں کو اپنے آنچلوں سے صاف کر کے میری میز پر سجاتی تھیں۔ اس لیے کہ وہ جانتی تھیں کہ جب ان کا پریشان حال بیٹا گھر آتا ہے تو دو چیزوں سے نہ صرف خوش ہو جاتا ہے بلکہ اس کی تمام تھکن دُور ہو جاتی ہے۔ ایک ماں کی شفقت اور دوسرے ابن صفی کی کتاب اور میں واقعی سب کچھ بھول جاتا تھا۔

میرا دوسرا دَور میری ازدواجی زندگی سے شروع ہوتا ہے جہاں دُنیاداری جیسی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے کام کاج کی اُلجھن ہوتی ہے۔ رشتہ دار، دوست واحباب کی نازبرداریاں ہوتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں نے ابن صفی کو نہیں چھوڑا یا یوں کہیے ابن صفی نے مجھے نہیں چھوڑا۔

اہلیہ محترمہ کو ابن صفی سے بڑا بیر تھا (اس بیر میں جو خلوص و محبت پنہاں تھی وہ میں بحیثیت شوہر اچھی طرح جانتا ہوں) اس وقت ابن صفی کی کتاب کسی پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح ایک جھٹکے کے ساتھ کسی دیوار سے ٹکراتی جب اُن کی کتاب سے برمحل اور موزوں، دلچسپ اور دل میں اُتر جانے والا کوئی مکالمہ یا عمران اور حمید کے شرارت آمیز اور مزاحیہ جملے انہیں سُناتا۔ واقعی یہ بات کچھ ظلم ہی جیسی ہے بات کا ایک بج رہا ہو، ایک انتہائی نیک اور فرمانبردار قسم کی عورت جو گھر کے ہنگامے اور چولھا چکّی سے دامن بچا کر آرام کرنا چاہتی ہو۔ اس پر غنودگی اور نیند کا غلبہ چھایا ہو اور اس کے بستر کے قریب کوئی سو پاور کا بلب روشن کیے "ابن صفی" میں کھویا ہو اور یہ کہ وقفہ وقفہ سے دو چار جملے بھی اس کے کانوں میں انڈیلتا ہو تو اس عورت کی ابن صفی سے بیزاریت عین فطری ہے۔

نتیجتاً ابن صفی کی کتابیں کم ہونے لگیں اور اَب مجھے جب کے وقت ڈھونڈنا پڑتا۔ نہ ملنے پر میرا پارہ گرم ہو جاتا بحث اور تکرار تک ہو جاتی۔ ایک محاذ جنگ قائم ہو جاتا۔ زبانی گولیاں اور بم ایک دوسرے پر برسائے جاتے۔ مُکّا لہرا لہرا کر ابن صفی کی حمایت اور مخالفت میں ڈائیلاگ بولے جاتے اور جب میری مخالفت نیند کے تھپیڑوں سے چور اور بے دَم ہو کر اپنے بستر پر گر پڑتی تو میں آہستہ سے کھسک جاتا اور پھر کسی نہ کسی طرح، بستر کے نیچے، تکیہ کے غلاف میں، الماری میں، بکس میں، کپڑوں کی تہ میں یہاں تک کہ باورچی خانہ اور نعمت خانہ سے ابن صفی کو ڈھونڈ نکالتا اور اَب بیگم بھی میری ہی طرح ان معمولات کی عادی ہو چکی ہیں۔ وہ بھی ابن صفی کے کردار کی طرح اپنے دشمن کے سامنے سپر ڈال چکی ہیں۔

اَب میں اصل موضوع کی طرف واپس آرہا ہوں سب سے پہلے میں یہ واضح کر دوں کہ میں خدانخواستہ کوئی ادیب افسانہ نگار، تنقید نگار، مقالہ نگار، شاعر، فلسفی یا اس قسم کی کوئی بھی چیز نہیں ہوں۔ میں محض ابن صفی کے پرستاروں میں سے ایک پرستار ہوں۔ اُردو سے جو تھوڑی بہت واقفیت ہے وہ بھی مرحوم ابن صفی کی مرہون منت ہے جس کے سہارے آج اپنے افسردہ جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔

مجھے یہ بتانا ہرگز نہیں ہے کہ ابن صفی کی عظمت کیا تھی اَدب کے میدان میں ان کی کیا حیثیت تھی، کیا مرتبہ تھا اور کیا مقام تھا۔ وہ کس پائے کے ادیب تھے اور ان میں کتنی صلاحیت تھی۔ وہ کس سے بلند تھے اور کس سے کمتر۔ نقّادانِ اَدب انہیں کن نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے کم ہو جانے سے دیوارِ ادب میں کوئی شگاف پڑا یا نہیں۔ کوئی کمی ہوئی یا نہیں ایسے نازک مسئلے پر روشنی ڈالنے والے لاکھوں جیّد قسم کے صاحب قلم موجود ہیں جو اس میں اُلجھ سکتے ہیں۔ میں تو صرف یہ کہوں گا اور چیلنج کے ساتھ کہوں گا کہ اس دنیائے اُردو میں ہے کوئی ایسا ادیب جو ابن صفی جیسا ادبی کارنامہ پیش کرے؟ جو بیک جنبش قلم لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کے ذہن اور دل و دماغ سے چپک جائے اور اپنا مسکن بنا لے؟ ہے کوئی ایسا ادیب جس کو پڑھنے والے پاگل اور سنکی کہلائیں؟ ہے کوئی ایسا ادیب جس کو پڑھنے کے لیے اپنے سیکڑوں ضروری کاموں اور ضرورتوں کو "بس اس کے بعد" کہہ کر ٹالتا رہے اور نقصان اٹھاتا رہے۔؟ ہے کوئی ایسا ادیب جس کی ایک ایک کتاب کو لوگ بار بار پڑھیں اور ہر بار وہی خوش بو اور تازگی محسوس کریں۔؟ ہے کوئی ایسا ادیب جس کی آنے والی دوسری کتابوں کے لیے لوگوں میں بے چینی اور بے قراری پائی جائے۔؟ ہے کوئی ایسا ادیب جس

کی کوئی کتاب اسکولوں اور کالجوں کی بیچ پر۔ دفتر کی میز پر ہوٹل اور ریسٹورانوں میں، پارکوں اور دکانوں میں خواب گاہوں باورچی خانوں میں اور راہ چلتے لوگوں کی جیبوں میں بیک وقت نظر آتی ہو۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں اور یہ حقیقت ہی بذات خود ابن صفی کی عظمت اور بلندی کی جیتی جاگتی دلیل ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ انہیں بھی تسلیم کرنا ہوگا جو ابن صفی کے بدترین مخالف ہوں گے۔ کم از کم ان کا ضمیر یہی کہتا ہوگا۔ بڑے بڑے نقال ابن صفی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ لوگوں نے کم کوشش نہیں کی مگر ہمیشہ منہ کی کھاتے رہے۔ اگر ابن صفی کو محک کے نامور، بےمثال اور عظیم ترین ادباء و شعراء حضرات جانتے ہیں تو یہ ان کی عظمت کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی نہ اسے ثبوت بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو یہی ہوگا کہ "من ترا حاجی بگوئم تو مرا حاجی بگو" ان کی پہچان تو ان طبقوں سے ہو سکتی ہے جن میں پڑھے لکھے، غریب، امیر، ڈاکٹر، انجینئر، مولوی، پروفیسر، رکشے والے، مل مزدور، صحافی، کلرک، دکاندار، عورت مرد بھی شامل ہیں کھیتوں کھلیانوں میں جس کا تذکرہ ہو اور جس کے ادب میں آج کے ماحول کی سچی عکاسی ہو۔ اسے اور اس کے کرداروں کو اُٹھتے بیٹھتے یاد کیا جاتا ہو۔ میں نے کسی ادیب میں یہ قدرت نہیں دیکھی کہ وہ ہر طبقے میں یکساں طور پر مقبول اور ہر دلعزیز ہو اور ہر جگہ جلوہ گر ہو۔ بلکہ یوں کہیے ہر طبقہ میں جلوہ گر ہو۔

عوام کا وہ طبقہ بھی جسے کسی محنت مزدوری کے بعد تھوڑی سی تفریح چاہیے۔ تھکے اور جھلسے ہوئے دل و دماغ کو بے تحاشہ ذہنی سکون اور بالیدگی اور یہ مواد، کہانی اور کرداروں کی شکل میں، برجستہ جملے اور مزاحیہ فقروں کی شکل میں ابن صفی ہی وہ واحد تخلیق کار تھا جو فراہم کرتا تھا۔ اور آج یہی طبقہ اس ادیب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا مگر اس کی کتاب، اس کا کردار، ہمیشہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھتے رہیں گے۔ اور بار بار پڑھتے رہیں گے۔

ہاں! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ قطعی ناممکن ہے کہ بڑی بڑی اور موٹی موٹی فارسی نما اردو کی ادبیات مثلاً تنقید، مقالہ، انشائیہ، تبصرہ یا اس قسم کے اور بھی بہت سے لوازمات جو اردو زبان و ادب میں رائج ہیں اور جن کا علم اہل علم ہی کو ہو سکتا ہے، پڑھ کر ایک پل کے لیے بھی مسرت و خوشی حاصل کریں اور سکون و شادابی پا سکیں۔ میرے خیال میں ممکن نہیں۔ ہاں، ایک طبقہ جو اسی طبقہ کا ہوتا ہے بیشک تسکین محسوس کر سکتا ہے۔ مثلاً جدید شاعری۔ اب ظاہر ہے کہ جدید شاعری کے رموز و اسرار اور نشیب و فراز سے جو واقف ہوگا وہی پڑھے گا اور خوش ہوگا ورنہ اچھے بھلے، پڑھے لکھے لوگوں کی کھوپڑی اڑ جاتی ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی طرح تنقید، کسی کتاب، مصنف اور شعراء پر تبصرہ۔ بڑے بڑے پیچیدہ قسم کے مقالے انشائیہ اور مضامین۔ یہ تو وہی پڑھے گا اور محظوظ ہوگا جو اس صنف سے واقف ہوگا۔ اس کے نکات، اُلجھاؤ اور گتھیوں سے آشنا ہوگا اور جانتا سمجھتا ہوگا۔ لیکن جہاں تک عام لوگوں کی بات ہے وہ دھیان تک نہیں دیتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے یہ تو صاحب ادراک ہی بتا سکتے ہیں، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ادیب تو وہی بہتر، عظیم اور ہر دلعزیز ہے جو ہم جیسوں کو نہ صرف خوشی، مسرت فراہم کرتا ہے بلکہ الجھن، پریشانی، تھکان اور پراگندگی کو دور کرتا ہے۔ اور کچھ ہی لمحے کے لیے سہی دنیا و مافیہا سے بے خبر کر ڈالتا ہے اور جب قاری اپنے تمام دکھ، تھکن اور کوفت کو ابن صفی کے ناول پڑھ کر بھول جاتا ہے اور اس کی روح مسکرا اٹھتی ہے تو یہی ابن صفی کے فن اور اس کی عظمت کی معراج ہے اب کسی سے موازنہ یا بہتر و کمتر میں الجھنا، بحث و مباحثہ میں پڑنا دلائل اور ثبوت فراہم کرنا میری نظر میں تضیع اوقات ہے۔ بہرحال ان کے اس سانحۂ عظیم سے ان کے تمام قارئین کو جو دکھ اور ملال ہوا ہے اس کی تلافی ہو سکے گی، یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ؎

"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

ابن صفی کی ایک کتاب کا عنوان تھا "دست قضا" جو آج خود ابن صفی کا عنوان بن گیا یہ کسے معلوم تھا اور میں ان کی روح سے بصد احترام معذرت کرتے ہوئے اپنے اس عقیدت بھرے مضمون کا عنوان بھی "دستِ قضا" تجویز کر رہا ہوں۔

اور اب آخر میں نہ صرف اپنی جانب سے بلکہ ان کے تمام شیدائیوں کی جانب سے، ان کی تمام کتابوں، کرداروں اور ایک ایک فقرے کو، ان کی عظیم ترین روح کو عقیدت سے بھرپور سلام پیش کرتا ہوں۔